# قومی ہم آہنگی اور جذبہ حب الوطنی پریشان خٹک کے شعری مجموعے تنڑاکے کی روشنی میں

ڈاکٹر جاوید اقبال

ABSTRACT:

Prof. Praishan khattak is certainly a stalwart celebrity of 20th century of modern Pashto literature. He at a time wrote in the field of history, politics, education, literature and some other relevant subjects. As a poet he emerged on the horizon of Pashto modern poetry as a shining star, composed a number of remarkable poems and of course Ghazals as well. Being a poet of modern era he focused on romanticism, realism and some other poetical aspects. Beside the variety of poetic subject, he depicts the concept of nationalism, integration and patriotism in the context of Two National Theory and Pakistani nationalism.

Praishan Khattak belongs to such a Pashtun family who has served for Pakistan Movement and contributed a lot for national cause and unforgettable struggle for Pakistan. His poetry collection "TANRKAY" reflected the cited above background and different dimensions of national integrity cohesion and his patriotic feelings on a large scale which are obviously worth mentioning. This write-up represent the scattered poetic expression which Prof. Praishan Khattak expressed in his poetry collection "TANRKAY" along with some related references from his prose work which shows his love and spiritual attachment with Pakistani national integrity and patriotism.

پروفیسر پریشان خٹک معاصر پشتو ادب کے نمایاں ترین شاعر، ادیب، مورخ، محقق اور دانشور کی حیثیت سے اپنی شناخت پورے پاکستان اور ملک سے باہر بھی کراچکے ہیں۔ تاریخ و تحقیق میں لازوال خدمات کے علاوہ وہ پشتو کے ایک سربرآوردہ شاعر کی حیثیت سے بھی ایک معتبر حوالہ ہے۔ جن کی دو شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ اُنکی شاعری کا نمائندہ مجموعہ تنڑاکے علمی و ادبی حلقوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی اورنصابی میدان میں بھی خاصی مقبولیت کی حامل ہے۔ اس مجموعے مینرومانوی شاعری کے علاوہ چند دیگر سماجی اور سیاسی موضوعات پر بھی نظمیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں قومی تشخص اور ملی ہم آہنگی کے موضوع پر خصوصی نظمیں شامل ہیں۔

قومی تشخص اور ملی ہم آہنگی میں ادب کاکردار ہر دور میں نمایاں رہا ہے۔ مگر اس موضوع پر شعر و ادب کے تناظر میں بات کرتے ہوئے اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے، کہ قومی تشخص

اور ملی ہم آہنگی سے یہاں مراد پاکستان کی نظریاتی اساس کے تناظر میںادب کا جائزہ لینا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان کئی بنیادی ملی اکائیوں کا مجموعہ ہے۔ مختلف زبانوں اور ثقافتوں کا ترجمان ادب اس مملکتِ خداداد میں تخلیق ہوتاہے۔ مگر اس تنوع اور رنگارنگی کے باوجود پاکستان کی نظریاتی اساس ان تمام بنیادی ملی اکائیوں کو ایک مرکزی نقطہ اتصال پر لے آتا ہے۔ جس کو ہم پاکستان کے تناظر میں قومی تشخص اور ملی ہم آہنگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس نقطہ اتصال کی تعبیر وتشریح نہ صرف ملک کے مختلف ثقافتوں کے ترجمان دانشوروں نے کی ہے، بلکہ پروفیسر پریشان خٹک بھی ایک بنیادی ملی اکائی سے منسلک ہوتے ہوئے پاکستان کے نظریاتی اساس کی مرکزیت کے موئید ہیں۔ اس بات کی تائید ان کی نثری کاشوں سے بھی ہوتی ہے اور ان کی شاعری سے بھی۔

پریشان خٹک کی شاعری کے تناظر میں اس نکتہ کی اثبات سے پہلے پاکستان کی نظریاتی اساس کے حوالے سے قومی یگانگت و ہم آہنگی اور ملی تشخص کے بارے میں چند حوالے پیش نظر ہیں۔ پھر اسی پس منظر میں پریشان خٹک کی شاعری کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ تخلیق پاکستان کا نظر یاتی اساس ’’دو قومی نظریہ‘‘ کو تصور کیا جاتاہے۔ جو سر سید احمد خان نے پیش کیا تھا۔ اسی دو قومی نظر یہ کو علامہ اقبال کے خطبہ آلہ باد کی تائید بھی حاصل ہے۔ جس کی مزید تفسیر قائد اعظم محمد علی جناح نے 18مارچ ؁1944ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اپنے ایک خطبہ میں ان الفاظ میں کیا تھا۔

’’پاکستان اس دِن وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان پیدا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی‘‘(1(

سر سید احمد خان، علامہ اقبال اور قائد اعظم کے پیش کر دہ ان نظریاتی وضاحتوں کا خلاصہ یہی ہے، کہ برصغیر میں ہندو اور مسلم دو علیحدہ قومیں ہیں۔ جن کے تہذیبی اقدار اور ملی تشخص کے تمام زاویئے الگ ہیں۔ اسی تناظر میں قائد اعظم نے یہ بھی کہا تھا !

’’ہم مسلمان اپنی تابندہ تہذیب و روایات کے لحاظ سے ایک ملت ہیں‘‘(2(

ہم مسلمان ایک ہی ملت ہے، اس کا تجزیہ تو آنے والے مباحث میں کریں گے۔ مگر دو قومی نظریئے کے تصور کو بھی ہمارے شاعر و دانشور پریشان خٹک اپنی سوچ کے مطابق ایک طویل تاریخی پس منظر میں دیکھتے ہیں وہ اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہے:

ـ’’ دو قومی نظریہ یا نظریہ پاکستان قائد اعظم کامر ہون منت نہیں ہے۔ یہ تو تخلیق آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آج تک ہے اور قیامت تک چلے گا۔ یعنی یہ ایک ازلی اور ابدی نظریہ ہے۔ خیر اور شر کے درمیان رحمانی قوتوں اور شیطانی قوتوں کے درمیان اسلام اور کفر کے درمیان اور پھر میں تو نہ صرف چشم دید گواہ ہوں بلکہ حصول پاکستان کی جدوجہد میں برصغیر کے باقی مسلمانوں کی طرح اپنے خاندان سمیت سب کچھ لٹانے کا ایک ہی مقصد تھا کہ ریاست مدینہ کے بعد اِسی نظریے پر ایک دوسری ریاست قائم ہو جس کا نام پاکستان ہوگا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ پاکستان نہ صرف وجود میں آیا بلکہ جنت نظیر ثابت ہوا۔ ‘‘(3(

ہم نے دیکھا، کہ پریشان خٹک ہندأوں اور مسلمانونکو ہر لحاظ سے دو علیحدہ ثقافتوں کے ترجمان اقوام سمجھتے ہوئے ان دونوں کے درمیاں تہذیبی و ثقافتی بُعد کو تاریخی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اور پاکستان کی تخلیق کا راساس ہر لحاظ سے اسلامی اور مذہبی اقدار کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اسی تاریخی تناظر کی جدید تعبیر میں سر سید احمد خان، علامہ اقبال اور قائد اعظم کے نظریات پیش کردیئے ہیں۔ یوں ہمارے دانشور یہ بھی مانتے ہیں، کہ اسی دینی و اسلامی اساس پر قائم ہونے والی ریاستوں میں ریاست مدینہ کے بعد پاکستان دوسری نظریاتی ریاست ہے۔ جو اِسی بنیاد پر وجود میں آئی ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے یہ بھی وضاحت کردی ہے، کہ مسلم ریاستوں کے قیام میں بنیادی محرک دین و مذہب یعنی اسلام ہی ہوتاہے اور پاکستان کا وجود اسی اساس کا محرک ہے۔ علامہ اقبال کے اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے نامور دانشور نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

''قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان کے ہندئووں اور مسلمانوں میں اس طرح کی مشابہت بھی تھی اور اس طرح کا فرق بھی کانگرس ہندئووں اور مسلمانوں کی ہندوستانی قومیت کے مشترک یا مشابہ عناصر پر زور دیتی تھی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی مذہبی اور تہذیبی قومیت کے امتیازی پہلووں پر۔علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں جو باتیں مسلمانوں کو بتائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی کہ :-''خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی'' اور انہوں نے لفظ خاص کی وضاحت یہ کی تھی کہ مسلمانوں کی قومیت کا انحصار مذاہب پر ہے نہ کہ وطنیت پر قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں۔''(4(

یہی وجہ ہے، کہ پریشان خٹک کو بھی اسی نظریاتی اساس کی تفہیم میں کوئی تر دد نہیں وہ اپنے ایک خطبہ میں مزید وضاحت کے ساتھ کہتے ہیں:

''پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی مستحکم بنیاد اسلام اور صرف اسلام پر قائم و دائم ہے ایک عرصہ کے بعد خداوند پاک نے ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ ہم عملی طور پر دنیا کو یہ ثابت کریں کہ اسلامی اقدار آج بھی چودہ سوسال پہلے کی طرح گمراہوں کی راہنمائی کا واحد ذریعہ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کی دنیا تمام خود ساختہ ثقافتی ورثوں اور تہذیبی اقدار سے تنگ آچکی ہے اور ثقافتی و تہذیبی ارتقاء کا رُخ اس سمت بڑھتا جارہاہے جہاں آفاقیت کے آثار ملتے ہیں جہاں روحانی اور مادی ضروریات و خواہشات کی تکمیل کے لیے اعتدال و توازن ہے جہاں اخلاقی بصیرتوں کی عملی ضمانت موجود ہے۔''(5(

مملکت پاکستان کی نظریاتی اساس میں دین ا سلام کو ایک بنیادی محرک کی حیثیت سے نظر انداز کرنا تو ممکن ہی نہیں مگر اس کے باوجود مختلف جغرافیائی اور ثقافتی اکائیوں کا وجود اس مرکزی قومیت کے تصور کو قائم کرنے کیلئے پھر بھی ایک سوالیہ نشان ہے، جب تک سندھی، پنجابی، سرائیکی، براہوی، بلوچی اور پشتون شناخت کو اسلامی تصور پاکستان کے مرکزی نکتہ پر مرکوز نہ کیا جائے تب تک ملی ہم آہنگی اور قومی تشخص کا تصور بھی متزلزل ہی رہے۔ ہمارے دانشور اسی مرکزی قومیت کے تصور کے استحکام کیلئے کو شاں رہتے ہیں اور وقتاًفوقتاً اسی تصور کے استحکام کیلئے مختلف تعبیریں بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ مگر ایسے بھی دانشور موجود ہیں، کہ ان بنیادی

اکائیوں میں کئی حوالوں سے امتیاز برتنے کی وجہ سے کئی اشکالات و مشکلات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی سب سے اہم نکتہ طبقاتی ناہمواری اور مفادات کے سرمایہ دارانہ تصور کو سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''پاکستان میں قومی تشخص اور ثقافت کا مسئلہ بنیادی طور پر قومی تشکیل نو کے پروگرام میں صحیح ترجیحات کے تعین کا مسئلہ ہے۔ قومی تشخص اسی وقت ممکن ہے جب سماجی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں عامتہ الناس عدل اور احسان کے اصولوں پر عمل پیراہوں۔ علاوہ ازیں علاقائی اور قومی مفادات کے مابین جودُوئی فی الوقت پائی جاتی ہے۔ اسے دُور ہی اس وقت کیا جاسکتا ہے جب عدل اور احسان کے جذبہ کے تحت ملوکیت اور نو آبادیاتی دور کی جملہ ناانصافیوں کاخاتمہ کردیاجائے۔ یہ شرط بذاتِ خود اس قدر بنیادی اہمیت اختیار کرچکی ہے کہ ہمارے معترضین اسے یو ٹوپیائی صورتِ حال سے تعبیر کرنے لگے ہیں۔ یعنی وہ انکار کرتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ آزادی اور اجتماعی کنٹرول کے علاوہ کسی تیسرے سیاسی و معاشی ماڈل کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے؟ حقیقت غالباً یہ ہے کہ فی زمانہ صرف وہی ثقافت ترقی پاسکتی ہے جو ۔''علم'' کے حق میں کشادہ نظری کارویہ اختیار کرسکتی ہو۔''(6(

ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی رائے سے کوئی اختلاف نہیں مگر اس طبقاتی ناہمواری اور عدل و احسان کے اصولوں کی عدم فراہمی کے باوجود قومی تشخص اور ملی ہم آہنگی کے چند دیگر حوالے بھی موجود ہیں۔ جو پاکستان کی نظریاتی اساس کو مختلف ثقافتی اکائیوں کے باوجود بھی استحکام بخشتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اگر چہ کسی حد تک محمد علی صدیقی کے ہمنوا ہیں مگر پھر بھی وہ چند دیگر زاوئیوں کی نقاب کشائی بھی کرتے ہیں وہ رقم طراز ہے:

''قومی تشخص کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے ایک بات تو یہ یاد رکھنی چاہیے کہ قومی تشخص قومی یکجہتی سے پیدا ہوتاہے اور قومی یکجہتی فردوعلاقے کے باطن میں احساس شرکت سے پیدا ہوتی ہے اور احساس شرکت معاشی مساوات اور زندگی کی ہر سطح پر عدل و انصاف کو فکر و عمل کی بنیاد بنانے سے فروغ پاتاہے۔ یہ بات میری طرح آپ سب جانتے ہیں کہ صحت مند معاشرے میں سارے علاقے قومی کلچر کے نظام میں جذولاینفک کا درجہ رکھتے ہیں۔ سارے علاقوں کا تہذیبی ماحول فکر و اقتدار کا ایک ایسا ڈھانچہ اختیار کرتاہے جو بحیثیت مجموعی قومی روح کا اظہار کرتاہے ایسے میں علاقے نہ اتنے کمزور ہوجائیں کہ ان کی ذیلی شخصیت ہی باقی نہ رہے اور نہ اتنے قوی کہ ان کی شخصیتینآپس میں بیکار ہوجائیں۔ قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے جس کی کوکھ سے قومی تشخص پیدا ہوتاہے۔ ان میں ایک توازن قائم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قومی تشخص کے معنی یہ ہیں کہ قوم کی فکر، ثقافت اور انتظام اقدار میں سارے علاقوں کی ذات وصفات اور شخصیت کے سارے نمایاں پہلو موجود ہوں، چھوٹے عناصر، یکساں اہمیت اور عدل و مساوات کے ساتھ، بڑے عناصر سے مربوط ہوں، بڑا چھوٹے کے بغیر نامکمل اور چھوٹا بڑے کے بغیر ادھورا، قومی تشخص ان سب کی داخلی وحدت کانام ہے جس میں سارے دھارے آکر مل جاتے ہیں۔ ()''

ڈاکٹرجمیل جالبی پاکستان میں آباد مختلف ثقافتی اکائیوں کو مرکزی دھارے میں لانے کیلئے جس بنیاد کو ضروری سمجھتے ہیں اس کا تذکرہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''پاکستان میں وہ سب عناصر پہلے سے موجودہیں جن سے حقیقی معنی مینکوئی قوم اور اُس کا تشخص وجود میں آتاہے۔ مثلاً لاکھوں مربع میل پر پھیلا ہوا ہمارا ایک اپنا ''جغرافیہ'' ہے--- پھر اس وسیع و عریض جغرافیے کے اندر رہنے والوں کی ایک مشترک وطویل '' اجتماعی تاریخ'' بھی ہے اور ساتھ ساتھ اس سے پیدا ہونے والا ایک وسیع تہذیبی سانچہ بھی جس سے سارے علاقوں کے لوگ فخر کرتے ہیں۔ اس ملک کی غالب اکثریت کا ایک مشترکہ مذہب ہے جسے سارے علاقے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں جو ہماری روح کی گہرائیوں میں پیوست ہے اور جو قومی تشخص کی تشکیل میں فعال و بنیادی کردار ادا کرسکتا ہے۔ ہمارے ملک مینمختلف علاقے مختلف زبانیں بولتے ہیں جن میں پنجابی، سندھی، پشتو، سرائیکی، بلوچی، بروہی، ہندکو، کشمیری، گجری اور مکرانی وغیرہ کے علاوہ انہیں زبانوں کی مختلف صورتیں بھی بولی جاتی ہیں جیسے بلوچی زبان کی ایک شاخ مشرقی اور دوسری بلوچی مغربی کہلاتی ہے۔ زبانوں کے اس اختلاف میں خوش قسمتی سے ایک ترقی یافتہ مشترک و عام زبان پہلے سے ایسی موجود ہے جس کے ذریعے ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقوں سے مل جل سکتے ہیں اور ایک دوسرے سے ابلاغ کر کے قریب آسکتے ہیں۔ اس زبان کی جڑیں صدیوں سے اس ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس زبان اور دوسری ساری علاقائی زبانوں کا بنیادی رسم الخط ایک ہے۔ ان سب زبانوں کی بنیادی علامات، تلمیحات، رمزیات، صوفیانہ اصطلاحات ایک ہیں، ان کا وہ زخیرہ الفاظ جو عربی وفارسی زبانوں سے مذہب کے رشتے سے آتی ہے۔ مشترک ہے گویا قدرت نے خوش قسمتی سے ہمیں وہ سب کچھ پہلے سے عطا کردیا ہے جن سے کسی قوم کا تشخص پیدا ہوتاہے اور جسے ہم معاشی مساوات، معاشرتی انصاف کے ذریعے احساس شرکت پیدا کر کے جلد ایک صورت دے سکتے ہیں۔''(8(

اس مملکت خداداد میں پشتون ایک الگ ثقافت، ملی اور تہذیبی اکائی ہوتے ہوئے بھی نظر یہ پاکستان کے ہر دور میں حامی رہے ہیں۔ ایک پریشان خٹک ہی پر کیا موقوف پشتون ملت کے ان گنت سپوت، سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی محاذوں پر پاکستان کے اُسی قومی و ملی تصور کے حامی رہے ہیں۔ جن کی اساس اسلامی دینی اقدار پر رکھی گئی تھی۔ اس پس منظر کو اجاگر کرتے ہوئے پروفیسر محمد شفیع صابر لکھتے ہیں:

۔''نظریہ پاکستان کی بنیاد اس ایمان پر ورعقیدے پر ہے کہ اسلام دینی اور دنیوی زندگی کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، اپنا الگ قومی وجود رکھتا ہے اور گردوپیش کے ماحول مینمدغم ہونے نہیں پاتا۔ صوبہ سرحد کی آبادی کی غالب اکثریت مُسلمان ہے، صدیوں سے سرحدکے مُسلمانوں نے ہر اسلامی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، سرحد ہی وہ خطّہ ہے جس نے سلطان محمودغزنوی، محمد غوری، احمد شاہ ابدالی اور دوسرے مسلمان فاتحین کے قدم چُومے، یہاں کے مجاہد اور غازی اسلامی لشکروں کی تقویت کا باعث بنے یہاں کے علماء اور صلحاء نے اسلام کا فیض بخش پیغام کفر زارِہند کے کونے کونے تک پہنچایا، یہاں کے مدبروں اور جانبازوں نے

ہزاروں سال تک ہندوستانی سیاست میں فیصلہ کُن اور شاندار کردار انجام دی۔ سرزمین سرحد میں ہمیشہ اسلامی ماحول برقرار رہا۔ یہاں کی فضا ہمیشہ اسلامی فضا رہی، یہاں کے حریت پرورلوگوں پر غلامی کا سایہ بہت کم پڑا، سرحد کے اکثر علاقے تو آغازِ عالم سے آزاد رہے۔ لیکن جو علاقے غیر ملکی حکمرانوں کے زیرنگین رہے، وہاں بھی عوام کی داخلی زندگی پر غیر ملکی اثرات کی چھاپ اتنی گہری نہ تھی۔ جتنی برصغیر ہند کے دوسرے خطوں کے لوگوں پر دیکھنے میں آتی ہے۔ گویا اہل سرحد صدیوں سے نظریہ اسلام یا نظریہ پاکستان ہی کو اپنا متاعِ حقیقی سمجھتے آئے ہیں۔ اور انہیں اسلام پر اور اسلام کو ان پر فخر رہاہے۔''(9(

اس پس منظر میں جب ہم پریشان خٹک کے منظوم و منشور آثار کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ابتدا سے مرتے دم تک اس تصور کے حامی نظر آتے ہیں۔ وہ خود نظریہ پاکستان کے حامی ہونے کے کئی تحریری ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ جن میں ان کی شاعری کے علاوہ اردو نثر کی کتاب ''نظریہ پاکستان'' ایک بین دلیل ہے۔ اس کتاب میں نظریہ پاکستان اور اسلامی تصور سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے والد گرامی کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں جن کی رہنمائی اور مختلف ادوار و اوقات میں ان کے مباحث سے پریشان خٹک نے استفادہ کیاہے اور اپنے نظریاتی راستوں کا تعین کیا ہے۔ پریشان خٹک اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے خود رقم طراز ہے:

''بچپن ہی سے یایوں سمجھے کہ ہوش سنبھالتے ہی میرے والد صاحب کی مدلل وضاحتوں کو سننے کے بعد پاکستان کا وجود میرے دل و دماغ میں ایسا نقش ہوا جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک نقش فی الحجر ہے۔''(10(

پروفیسر ڈاکٹر اقبال نسیم خٹک نے بھی اس سلسلے میں اپنے ایک مقالہ ''پروفیسر پریشان خٹک اور نظریہ پاکستان'' میں لکھا ہے:

۔''جہاں تک پروفیسر پریشان خٹک کا تعلق ہے وہ پاکستان بھر میں بلکہ پاکستان سے باہر بھی پہچانے جاتے ہیں وہ ایک بیباک ادیب، ایک شعلہ بیان مقرر اور ایک باغ و بہار شخصیت ہیں اُن کی تحریروں اور تقریروں سے یہ اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتاہے کہ وہ اسلام اور پاکستان یعنی مذہب اور قوم اور وطن پرستی پر کسی قیمت پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔(11(

نظریہ پاکستان کے اس واضح تصور میں اسلامی نظریاتی اساس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پریشان خٹک نے اپنی شاعری میں بھی بہت وضاحت کے ساتھ سمویا ہے۔ ہم نے ان کی نثری کاوشوں میں دیکھا کہ اسلام اور پاکستان پریشان خٹک کے اولین ترجیحات رہے ہیں اور جابجا اپنی تحریروں میں ان ترجیحات کا اظہار کیا ہے۔ جب ہم ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں، تو رومانوی احساسات تاریخی شعور، خارجی دنیا کے محسوسات اور پشتونوں کی تہذیبی شناخت کے ساتھ ساتھ انہوں نے کئی نظمیں جذبہ حب الوطنی، اسلامی اقدار اور پاکستانی قومیت کے مرکزی تصور میں قومی تشخص اور ملی ہم آہنگی سے سرشار جذبات کا اظہار بھی کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر اقبال نسیم خٹک اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''تقاریر و تحاریر کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی پروفیسر پریشان خٹک نے اپنے نظریئے کا برملا اظہار کیاہے۔ ان کی شاعری کا ایک واضح پہلو ان کا جذبہ حب اولوطنی ہے اور انکی حب الوطنی سے میرا مقصد محدود معنوں میں قوم پرستی کا جذبہ نہیں بلکہ نظریہ پاکستان کی تشریح و توضیح ہے۔''(12(

ڈاکٹر موصوف نے اسی قسم کے تاثرات کا اظہار اپنی کتاب ''دُردانے'' میں بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''پریشان خٹک کے کلام میں وطن کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار جابجا ملتا ہے۔ حقیقت تو یہی ہے، کہ جو شخص اپنے و طن سے محبت کا جذبہ نہ رکھے وہ بڑا ہی بدبخت ہوگا۔''(13(

اس طرح پروفیسر ڈاکٹر حنیف خلیل نے اپنی کتاب ''آئینے'' میں پریشان خٹک کے جذبہ حب الوطنی کے بارے مینلکھاہے:

''اپنی مٹی اور وطن کے ساتھ جذباتی وابستگی ہر محب وطن کی ضمیر میں موجود ہوتاہے۔ اس محبت اور جذباتی وابستگی کا اظہار عام لوگ کرے یا نہ کریں مگر فنکار اور خصوصی طورپر شاعرتو ضرور کرے گا پریشان خٹک کی شاعری میں اظہار محبت کے کئی رنگوں کے ساتھ ایک رُوپ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی مٹی اور وطن کے ساتھ بھی اپنی بے پناہ محبت کا اظہار نہایت جرات کے ساتھ کرتاہے''(14(

جیسا کہ پہلے مباحث میں تذکرہ ہوا ہے کہ پریشان خٹک کے دو شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان دونونمجموعوں میں ''تنڑاکے'' ان کا دوسرا اور مقبول ترین مجموعہ ہے پریشان خٹک صاحب کے مذکورہ نظریہ پاکستان اور قومی تشخص و ملی ہم آہنگی کو اگر ان کے مجموعے ''تنڑاکے'' کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ اپنے تمام تر نظریاتی اظہارات کی تائید اپنی شاعری سے بھی کرتے ہیں ان کی شاعری میں بنیادی نکتہ اپنی مٹی اور ملک و ملت سے والہانہ اظہار محبت ہے۔ جو بالآخر قومی تشخص اور ملی ہم آہنگی پر منتج ہوتاہے۔

پریشان خٹک کی شاعری میں نظریہ پاکستان اور پاکستان سے محبت کا جذبہ ایک منفرد رنگ میں جھلکتا ہے۔ ان کے جذبہ حب الوطنی کو منفرد اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے، کہ وہ تحریک پاکستان میں پشتون ملت کی جدوجہد اور پاکستان سے محبت کو بھی پشتونولی کے اوصاف سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا پشتو اور پشتونولی کو اپنی اصلی روح اور کیفیت میں پیش کرتے ہوئے پشتون جلال اور غیرت و ایثار کوپاکستان کے نظریاتی بنیادوں میں دیکھتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم ''پشتو'' کے عنوان سے لکھتے ہیں، مگر تاثر اپنے وطن پاکستان سے محبت کا دیتے ہیں۔ وہ اس نظم میں تحریک پاکستان کو پشتون ملت کے تاریخی تناظر میں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں:

''زما وطنہ نن د تاسرہ حساب کومہ
خولے خولے ٹوٹے زما زخمیوطنہ
تورو تیارو د ہندو بار کشے مے ڈیوے بلے کڑے
تۂ بہ مے پیژنے زۂ یم ہغہ غوری وطنہ

د برصغیر لرے گوټونو پورے اورسیدم
ہغہ غلجے یم چہ مے ہند کشے زلزلے راوستے
لودی یم ما د مسلمان او د اسلام دپارہ
لہ کوہستانہ مے دہلی تہ قافلے راوستے'' (15(

ترجمہ:

)اے میرے زخموں سے چور چور وطن آج میں آپ سے حساب کرتا ہوں میں نے ہندو بار کے اندھیروں میں چراغ روشن کئے اے وطن! آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ میں وہ غوری ہوں جو برصغیر کے چپے چپے تک پہنچ گیا میں وہ خلجی میں کہ پورے ہندوسان کو ہلاکے رکھ دیا میں وہ لودھی ہوں کہ مسلمان اور اسلام کی خاطر پختونخوا سے اپنے قافلے دہلی تک پہنچا دیئے۔(

پختونخوا کے مختلف قبائیلی علاقوں اور ان علاقوں کے غیور عوام کا تذکرہ دو قومی نظریہ کے تناظر مینتاریخی پس منظر کے ساتھ واضح کرتے ہوئے اساس پاکستان سے آزادی پاکستان تک کا سفر اسی نظم میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

''دپشتونخوا ہرہ کیڑدئ د ملاکنڈ غاشے شو
وزیرستان کشے ہوے گٹے میوندونہ جوڑ کڑل
لکہ باڑہ یواځے زۂ پہ تیراّہ نۂ بہیدم
قصّہ خوانئ کشے مے د سرو وینو رودونہ جوڑ کڑل
خپلے جونگڑے مے تباہ کڑے د اسلام دپارہ
قربانیدم د خپلے زمکے آبادی مے غوشتہ
کلہ چہ نورو پہ شعرونو پاکستان جوڑ وو
زۂ پہ سرو وینو لمبیدلم آزادي مے غوشتہ'' (16(

ترجمہ:

)پختونخوا کا ہر خیمہ ملاکنڈ کی پہاڑی بن گیا وزیرستان کے پہاڑ میوند کی طرح میدان جنگ بن گئے۔ میرا خون محض تیراہ میں باڑہ ندی کی طرح نہیں بہا بلکہ قصہ خوانی میں بھی میرے سرخ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں میری جھونپڑیاں اسلام کے بقاء کیلئے تباہ ہو گئیں اپنی مٹی کی آزادی کے آرزوں میں جان نثار کردی۔ ایک وقت وہ بھی تھا جب دیگر حضرات محض اشعار لکھ کر پاکستان بنانے میں مصروف تھے اور میں اس وقت آ زادی کیلئے خون میں نہا رہا تھا۔(

''وطن '' کے عنوان سے پریشان خٹک نے دو نظمیں لکھی ہیں۔ دونوں نظمیں اپنی مٹی اور وطن سے والہانہ محبت کا بہترین اظہار ہے۔ پہلی نظم میں وطن عزیز کے جو اوصاف بیان کرتے ہیں۔ وہ بھی بنیادی طور پر پشتون اور پشتونولی کے ایسے اوصاف ہیں۔ جو ایک مثالی شخص اور ایک محب وطن فرد کیلئے ناگزیر ہوتے ہیں، کہتے ہیں:

''وطن ناموس تہ آزادی تہ اوچت سر تہ وائی
د ځان عزت د کور عزت د قام سحر تہ وائی

وطن وڑو او د زڑو د حفاظت ضامن وی
ہم د بے کسو د ناتوانو د عزت ضامن وی
وطن انصاف تہ ہمسرئ تہ عدالت تہ وائی
د ظلم جبرنہ د زور نہ ضمانت تہ وائی
وطن قانون تہ شرافت تہ نیغے لارتہ وائی
ثُورے محنت تہ مشقت تہ کار او کار تہ وائی
وطن د لوڑو ارادو ھسکے غڑئ نوم دے
د ارمانونو د درمان د سرلوڑئ نو دے'' (17(

ترجمہ:

)وطن ننگ و ناموس، آزادی اور سر خرو ئی کا نام ہے۔ اپنی عزت، گھر کی عزت اور قوم کی صبحدم کا نام وطن ہے۔ وطن تو چھوٹوناور بڑوں کی تحفظ کا ضامن ہوتاہے۔ اور ہر ناتوان و لاچار کی آبرو ہوتی ہے۔ وطن عدل و انصاف اور برابری کا نام ہے۔ اور ظلم و جبر سے نجات کاضامن ہوتاہے۔ وطن قانون و شریعت اور راست بازی کو کہتے ہیں۔ جرات و بہادری محنت اور ہروقت کام کرنے کو وطن کہا جاتاہے۔ وطن عظیم ارادوں اور آرزوں کی تکمیل اور باوقار زندگی کا نام ہے۔(

اپنی ایک دوسری نظم میں مملکت خداداد سے اپنی جذباتی وابستگی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نوم د وطن سرہ مے وینہ پہ ٹوپونو شولہ
آخر زما د مینے ولے امتحان غواڑے
ہرہ جونگڑہ د وطن راتہ محل شکاری
د ازغو ڈکے غنے ہم راتہ سنبل شکاری
زمونڑ د مینے افسانے پہ ہر کبل شکاری
د وطن ننگہ ہرہ ساہ مے پہ رقصونو شولہ
تا نہ قربان شم کہ مے مال او کہ مے ځان غواڑے''(18(

ترجمہ:

)وطن کا نام سنتے ہی میرا لہو جوش مارتا ہے۔ آخر میری محبت کا امتحان کیوں لیتے ہو۔ مجھے تو وطن کی ہر جھونپڑی بھی محل نظر آتی ہے۔ میرے وطن کے کانٹے بھی پھول ہیں۔ وطن سے محبت کی داستانیں تو پتے پتے، بوٹے بوٹے پر لکھی ہوئی ہیں۔ اے میرے وطن تیری محبت میں میری ہر سانس رقصاں ہے۔ تجھ پر میری جان ومال سب نثار ہو۔(

1973ء میں جب ملک میں سیلاب آیا اور وطن عزیز کو بہت نقصان سے دوچار ہونا پڑا تو پریشان خٹک نے اس قومی سانحہ پر ایک نظم لکھی جس میں اپنے وطن سے جذباتی وار فتگی کا اظہار کرتے ہوئے وطن عزیز کے ہر گوشے میں آباد محبان وطن کو دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

''زما ملگرو خُئ را درومئ پہ یو بل قربان شو

په هره ګټه د وطن په هر کبل قربان شو
که یو ازغی ته هم تاوان زما د زمکے رسي
ټول راپره شئ باتورانو په یو ځل قربان شو
د وطن خاورے ستا له دو امتحانونو نه زار
ستا له سیندونو د نهرونو د ځایونو نه زار
تئ لکه مور په مونږه ګرانه یئے پرواه اونئ کړے
دا خوار سرونه به کړو ستا د سیلابونو نه زار (19(

ترجمه:

)میرے رفیقوں آجائیں کہ ایک دوسرے پر قربان ہوجائیں اور وطن عزیز کے ہر پتھرا ور گھاس کے تنکوں تک پر قربان ہوجائیں۔ اگر میرے سرزمین کے ایک کانٹے کو بھی نقصان پہنچے تو تمام غیور محب وطن میرا ساتھ دیں کہ ہم ملکر وطن پر نثار ہوں۔ اے وطن کی مٹی تجھ پر آئے ہوئے آزمائشوں پر اور تیرے دریائوں، نہروں اور ندیوں پر قربان ہوجائوں تم تو ہمیں اپنی ماں کی طرح عزیز ہو۔ اے مٹی ہم اپنے سروں تک کا نذرانہ پیش کریں گے۔(

ہر محب وطن انسان کو اپنی مٹی کی خوشبو کا احساس اس وقت زیادہ شدت سے ہوتاہے۔ جب وہ مسافر ہو اور اپنے وطن سے دور ہو۔ پریشان خٹک نے مختلف اوقات میں کئی بیرونی ممالک کے دورے کئے ہیں۔ مگر جب انہیں خارجی ممالک میں وطن سے دوری کا احساس ہوا ہے تو انہوں نے اپنی اِس کیفیت کو اپنی نظموں میں سمویا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر حنیف خلیل نے بھی اپنی کتاب ''آئینے'' میں خارجی دنیا کے محسوسات کے زیر عنوان لکھاہے:

''پریشان خٹک نے اپنے وطن کے علاوہ باقی دنیا بھی دیکھی ہے انہوں نے خارجی دنیا میں اپنے وطن کیلئے جو محسوس کیا ہے۔ اسکا اظہار انہوں نے اپنی شاعری میں بھی کیاہے۔ ان محسوسات میں انہوں نے اپنے وطن سے دوری کا بھی رونا رویا ہے۔ او ر وطن سے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔''(20(

میکسیکو جیسے شہر کی رنگینوں میں بھی پریشان خٹک کہتے ہیں:۔

''د میکسیکو د شکلی شار په خماری فضا کشی
زما خیالونه بغاوت ته خپل وطن نئ پریژدی''(21(

ترجمه:

)میکسیکو کے حسین شہر کی مست فضائوں میں بھی میرے خیالات بغاوت کی جرات نہیں کرسکتے۔ کیونکہ مجھے اپنے وطن کی یاد آتی ہے۔(

واشنگٹن میں بھی اپنے وطن کی محبوبہ کی یاد ستاتاہے، اور کہتے ہیں :

د شاپیرئ په شانته تللے تاویده چورلیده
ډیره خوشحاله ډیره مسته غوڑیده چورلیده
خو بس هم تئ راته یادیژے د سپین غرملالے

زڑۂ کشے مے تۂ وے کہ ہر سو پہ سترگو دا شکاریدہ'' (22(

ترجمہ:

)وہ توپری جیسے چال رکھتی تھی اور بہت مستی اور مسکراہٹ کے ساتھ گھومتی جارہی تھی مگر اے میرے سپین غر(کوہ سفید) کی محبوبہ مجھے تو ہی یاد آرہی تھی۔ اگر چہ میری آنکھوں کے سامنے وہ تھی مگر دل میں توہی تو تھی۔(

اس طرح کے محسوسات پریشان خٹک کی شاعری مینجا بجا ملتے ہیں۔ جن سے ان کی اپنی مٹی سے محبت اور اپنے وطن سے جذباتی لگائوکا اندازہ ہوتاہے۔ مگر اُن کی شاعری سے پیش کردہ انہی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتاہے، جن سے واضح طور پر ان کے جذبات واحساسات کی عکاسی ہوتی ہے۔

خلاصہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں، کہ پریشان خٹک کی تقریروں اور تحریروں مینان کے قومی ہم آہنگی کا تصور اور جذبۂ حب الوطنی نمایاں طور پر سامنے آتاہے۔ یہ بھی واضح ہے، کہ ملک و ملت سے ان کی عقیدت و محبت کے یہ احساسات اس دور سے ان کی ذات کا حصہ ہے جب سے انہوں نے شعور کی آنکھ کھولی ہے۔ ان کے خاندانی پس منظر، ان کے اساتذہ اور خصوصی طور پر ان کے والد گرامی کی تربیت اور اثرات نے پریشان خٹک کی شخصیت پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ جب ہم ان کی تحریروں نظم و نثر دونوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتاہے۔ کہ وطن اور قوم ملت سے محبت کو وہ اپنی غیرت اور پشتونولی کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ وہ پاکستان کی بقاء کے خواہاں رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں پاکستان کیلئے غیور پختون قبائل کی لازوال قربانیوں کی تصویر جھلکتی ہے۔ انہوں نے سرکاری ملازمت کے سلسلے میں وطن عزیز کی خدمت اس انداز سے کی ہے۔ کہ اس مملکت خداداد کے سندھی، پنجابی، بلوچ او پشتون سب کو اس دھرتی کے فرزند سمجھا ہے۔ انہوں نے پاکستان کے ہر گوشے اور ہر جغرافیائی اکائی کو ملک کا حصہ سمجھتے ہوئے اپنا سمجھا ہے۔ انہوں نے پاکستان کے پتے پتے، بوٹے بوٹے سے پیار کیا ہے۔ انہوں نے بے مثال قربانیوں سے حاصل ہونے والے اس وطن پر آنے والے ہر کرب والم کو اپنی ذات و شخصیت پر آنے والی تکلیف و درد سمجھا ہے۔ انہوں نے اس نظریاتی مملکت کے وجود میں اسلامی و دینی اقدار کے محرک جذبے کی ہر دور میں پاسداری کی ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ پریشان خٹک نے مسلم وغیر مسلم کی بنیاد پر پیش کردہ دو قومی نظریہ کو انسانی تاریخی پس منظر میں دیکھا ہے۔ اور اس پس منظر میں ریاست مدینہ کے بعد پاکستان کو دوسری اسلامی ریاست کے طور پر دیکھا اور پرکھا ہے۔

یوں ان کے شعری مجموعے تنڑاکے میں بھی ان تمام نظریات کی توضیح و تشریح شعری اسلوب میں بھی کی گئی ہے۔ جس کے کچھ نمونے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان شعری نمونوں میں ہم نے یہ بھی دیکھا، کہ پریشان خٹک جب بھی اپنے وطن سے دور ہوکر کسی بھی دوسرے ملک گئے ہیں تو ان کو ہر لمحہ اپنے وطن کی یاد آتی ہے اور ملک و ملت سے ان کی عقیدت کے جذبات نے جوش مارا ہے۔ اس پورے پس منظر میں بجا طور پر کہا جاسکتاہے۔ کہ پروفیسر پریشان خٹک بچپن سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک اپنی مٹی، وطن، قوم و ملت کے ساتھ ساتھ دین و اسلام کے آفاقی اقدار اور

پشتونولی کے تمام انسانی اوصاف کے پوری صداقت و اخلاص کے ساتھ حامی و شیدائی رہے ہیں اور یہی جذبہ اُن کی شخصیت کو زندہ و پائندہ رکھنے کیلئے کافی ہے۔

---

حوالہ جات


)۱( صابر، محمد شفیع، پروفیسر، قائد اعظم ا ور صوبہ سرحد، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور (س ن)، ص ۲۰

)۲( ایضاً، ص۲۰

)۳( خٹک، پریشان، نظریہ پاکستان، فکر ملی ٹرسٹ پاکستان، اشاعت اول جون، سنہ2007ء، ص 48

)۴( صدیقی، نظیر، قومی تشخص اور ثقافت (مقالہ)، مشمولہ قومی تشخص اور ثقافت، ادارہ ثقافت پاکستان، جون سنہ1983ء ص71

)۵( خٹک، پریشان، قومی تشخص اور ثقافت (محولہ بالا) ص 33

)۶( صدیقی، محمد علی، ڈاکٹر، قومی تشخص اور ثقافت (محولہ بالا)، ص 101

)۷( ایضاً، ص ۴۰، ۴۱

)۸( جالبی، جمیل، قومی تشخص اور ثقافت (محولہ بالا)، ص 41، 42

)۹( صابر، محمد شفیع، پروفیسر، قائد اعظم اور صوبہ سرحد، ص 20، 21

)۱۰( خٹک، پریشان، صوبہ سرحد میں تاریخ پاکستان، (غیر مطبوعہ)، ص 85

)۱۱( خٹک، ایم اقبال نسیم، ڈاکٹر، پروفیسر پریشان اور نظریہ پاکستان، مشمولہ، پریشان خٹک، شخصیت فکر وفن، حرم پرنٹرز پشاور، سنہ2009ء، ص 95

)۱۲( ایضاً، ص 96

)۱۳( خٹک، ایم اقبال نسیم، ڈاکٹر، دردانے، حرم پرنٹرز پشاور، سنہ2001ء، ص 207

)۱۴( خلیل، حنیف، آئینے، دانش کتاب خانہ پشاور، سنہ2001، ص361

)۱۵( خٹک، پریشان، تنڑاکے، شاہین پریس پشاور، اگست سنہ1973، ص 65

)۱۶( ایضاً، ص66

)۱۷( ایضاً، ص184

)۱۸( ایضاً، ص158

)۱۹( ایضاً، ص157

)۲۰( خلیل، حنیف، آئینے، ص 364

)۲۱( خٹک، پریشان، تنڑاکے، ص 190

)۲۲( ایضاً، ص191


/...../